بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدھا راستہ

اور اخلاقی اُصول

تالیف

حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صاحبزادہ و جانشین

سلطان العارفین حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بہ اہتمام

سید صدیق فرزند جناب سید محبوب صاحب

ایس ایس میٹل انڈسٹری اینڈ کنسٹرکشن میٹریل سپلائرس

شاپ نمبر: 13-6-431، متصل قطب شاہی مسجد، جعفری گوڑہ، ریتی باؤلی رنگ روڈ، حیدرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدھا راستہ

اور اخلاقی اُصول

تالیف

حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صاحبزادہ و جانشین

سلطان العارفین حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بہ اہتمام

سید صدیق فرزند جناب سید محبوب صاحب

ایس ایس میٹل انڈسٹری اینڈ کنسٹرکشن میٹریل سپلائرس

شاپ نمبر 13-6-431، متصل قطب شاہی مسجد، جعفری گوڑہ، ریتی باؤلی رنگ روڈ، حیدرآباد

تفصیلاتِ کتاب

نام کتاب : سیدھا راستہ

مؤلف : حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن صاحب قاسمی دامت برکاتہم
صاحبزادہ و جانشین
عارف باللہ حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سن اشاعت : ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۷ء

تعداد : ایک ہزار

کتابت : شکیل کمپوزنگ سنٹر
روبرو فائر اسٹیشن، سیلر، متصل مسجد رضیہ، جدید ملک پیٹ، حیدرآباد-۳۶
فون 9346338145, 9391110835

طباعت : عائشہ آفسیٹ پرنٹرس
روبرو فائر اسٹیشن، سیلر، متصل مسجد رضیہ، جدید ملک پیٹ، حیدرآباد-۳۶
فون 9346338145, 9391110835

قیمت : -/10 روپئے

بہ اہتمام

سید صدیق فرزند جناب سید محبوب صاحب

ایس ایس میٹل انڈسٹری اینڈ کنسٹرکشن میٹریل سپلائرس
شاپ نمبر 13-6-431، متصل قطب شاہی مسجد، جعفری گوڑہ، ریتی باؤلی رنگ روڈ، حیدرآباد

اِنتساب

عارف تام المعرفت والد ماجد

حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

معنون کرتا ہوں جنہوں نے

قرآن وحدیث کی روشنی میں

ہدایت، صراط مستقیم اور راہِ اوسط

کو

وجداناً

سمجھنے سمجھانے کی سعی بلیغ فرمائی

العارض

محمد کمال الرحمٰن قاسمی

صاحبزادہ وجانشین

عارف باللہ حضرت شاہ صوفی غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ

فہرست مضامین

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ	۵
۲	اللہ کے حقوق، پیغمبر کے حقوق، صحابہ کرام کے حقوق، ماں باپ کے حقوق	۹
۳	ماں باپ کے انتقال کے بعد، دادا، دادی، نانی، نانی، اولاد و بہن بھائی کے حقوق	۱۰
۴	میاں کے ذمہ، بیوی کے ذمہ، عام مسلمانوں کے حقوق	۱۱
۵	استاذ اور مرشد، شاگرد اور مرید، رشتہ داروں کے حقوق	۱۲
۶	پڑوسی، ضعیفوں کے، مہمانوں کے، غیر مسلموں کے حقوق	۱۳
۷	اعتدال کی تاکید	۱۵
۸	ارشاد ربانی	۱۶
۹	وصف اعتدال کی اہمیت، اعتقادی اعتدال	۱۷
۱۰	اعمال وعبادات میں اعتدال،	۱۸
۱۱	معاشرتی اور تمدنی اعتدال	۱۹
۱۲	اقتصادی اور مالی اعتدال	۲۰
۱۳	علماء ومشائخ کی تعظیم اور اتباع میں اعتدال	۲۲
۱۴	تین مامورات، تین منہیات	۲۴
۱۵	اقسام عدل	۲۶

پیش لفظ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے کائنات کی چیزوں کو پردہ عدم سے منصہ شہو پر لایا اور ظلوم وجہول انسان کو علم وعدل سے سرفراز فرمایا موت کے کشکول میں حیات بخشی، بے بس انسان کو ظاہری اور باطنی قویٰ ودیعت فرمائے، امانتیں عطا کر کے استعمال کا ڈھنگ سکھلایا، ہزاروں درود وسلام ہوں اس ذات قدسی صفات پر جنہوں نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا طریقہ بتلایا اور منزل تک رسائی کے اصول سمجھائے جن کی بتلائی ہوئی، سکھلائی ہوئی، سمجھائی ہوئی ہدایت پر عمل، سعادت دارین اور عافیت دارین کی ضمانت ہے۔

آج دنیا میں ہر شعبہ زندگی میں ہر لحاظ سے محنتیں ہو رہی ہیں اور ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور صحیح کام کر رہا ہے لیکن آپ ذرا گہرائی سے جائزہ لیں گے تو اس بات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہوگا کہ صراط مستقیم پر قائم رہنا دشوار ہوتا جا رہا ہے اور لوگ بالعموم افراط وتفریط کا شکار نظر آتے ہیں۔ اس لئے صحیح فکر وعمل اور موزوں تعلیم وتربیت کے ذریعہ افراط وتفریط سے بچا کر راہِ اعتدال کی تعلیم دینا ضروری ہے۔ یہی چیز قرآن وحدیث اور تحت فطرت پیش کرنا اس تحریر کا منشا ہے۔

اہل سنت والجماعت کی تحقیقی روش اور قرآن وحدیث کی روشنی میں تفسیر کی معروف کتابوں کی تحریرات اور ان کے خطبات سے استفادہ کرتے ہوئے کئی

مقامات پر یہ خطبات دئے گئے تھے، خاص طور پر ۲۲ نومبر ۱۹۹۶ء کو مسجد عالمگیری شانتی نگر حیدرآباد اور ۲۴ نومبر ۱۹۹۶ کو فیض العلوم، سعید آباد میں، ۲۹ نومبر کو پھر مسجد عالمگیری شانتی نگر اور محبوب نگر کے بعض مقامات پر یہ تقاریر کی گئیں۔ اس طرح گویا یہ کتاب چار اہم خطبات کا تلخیصی اور تالیفی روپ ہے۔ پوری کتاب پڑھنے کے بعد اندازہ ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور پر عمل کرنے اور محظور سے بچنے کی جو تلقین کی وہی راہ اوسط ہے اور کتنی صادق اور سچی بات ہے کہ جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **خیر الامور اوسطھا** کہ تمام ہی امور میں راہِ اوسط بہتر ہے۔ ع

راہِ اوسط ہے صراط مستقیم

شاہ محمد کمال الرحمٰن قاسمی

صاحبزادہ و جانشین حضرت شاہ صوفی غلام محمدؒ

احسان کے لفظی معنی اچھا کرنے کے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ یہ افعال و اوصاف کو اپنی ذات میں اچھا اور پورا کرے دوسرے یہ کہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ اچھا سلوک اور عمدہ معاملہ کرے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ صرف لفظ عدل تمام اعمال و اخلاق حسنہ کی پابندی اور تمام برے اعمال کے اجتناب کو حاوی اور جامع ہے۔ امام قرطبیؒ نے مزید مفہوم میں وسعت بتلائی ہے کہ نہ صرف یہ کہ یہ دونوں قسموں میں احسان شامل ہے بلکہ ہر ہر شعبہ میں کام کا اچھا کرنا بھی مراد ہے۔ عبادات کو اچھا کرنا اعمال کو اچھا کرنا، معاملات کو اچھا کرنا، اخلاق کو اچھا کرنا اور عرفی اور مخصوص مفہوم میں احسان کا مفہوم وہ ہے جو حدیث جبرائیلؑ کے ذریعہ سمجھایا جاتا ہے۔

اس ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی عبادت ایسی کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر استحضار کا یہ درجہ نصیب نہ ہو تو اتنی بات کا یقین تو ہر شخص کو ہونا چاہئے کہ حق تعالیٰ اس کے عمل کو دیکھ رہے ہیں کیوں کہ یہ تو اسلامی عقیدہ کا اہم جز ہے کہ حق تعالیٰ کے علم و بصر سے کائنات کا کوئی ذرہ خارج نہیں رہ سکتا۔

حسن عمل کی وسعت کو سمجھنے کیلئے یہ روایت بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ جس شخص کے گھر میں بلی کو اس کی خوراک اور ضرویات نہ ملیں اور جس کے پنجرے میں بند پرندے کی پوری خبر گیری نہ ہوتی ہو وہ کتنی ہی عبادت کرے، محسنین میں شمار نہیں ہوگا۔

بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے عدل تو یہ ہے کہ دوسرے کا حق پورا پورا اس کو دے دو اپنا وصول کرلو نہ کم نہ زیادہ اور کوئی تکلیف تمہیں پہنچائے تو ٹھیک اتنی ہی تکلیف ان کو پہنچاؤ نہ کم نہ زیادہ اور احسان یہ ہے کہ اس کو اس کے اصل حق سے زیادہ دو اور خود اپنے حق میں چشم پوشی سے کام لو کچھ کم ہو جائے تو بخوشی قبول کرلو۔ اسی طرح کوئی شخص تمہیں ہاتھ یا زبان سے ایذا پہنچائے تو تم برابر کا انتقام لینے کے بجائے اس کو معاف کردو بلکہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دو۔ عدل تو واجبات

میں سے ہے اور احسان نوافل میں سے ہے تو احسان نیکی کو بھی کہتے ہیں اور مہربانی کے برتاؤ کو بھی۔ نورِ بصیرت سے حق کا مشاہدہ بھی احسان ہے اور صفات کے پردہ میں ذات کا دیدار بھی احسان ہے۔

احسان کے معنی کسی کام کو حسن اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دینے کے آتے ہیں اور خاص طور پر احسان وہ طرزِ عمل ہے جو دوسروں کیلئے نفع بخش ہو۔ عدل کی بنیاد قانون پر ہے اور احسان کی بنیاد اخلاق پر۔ عدل معاشرے کی ناہمواری کو دور کرتا ہے اور احسان معاشرہ کو خوشگوار بناتا ہے۔ عدل و انصاف کرنا واجب ہے اور احسان اختیاری عمل ہے۔ عدل میں گرمی ہے اور احسان میں نرمی۔ لیکن خاص طور پر احسان کی جو جزاء حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے وہ محبوبیت ہے۔

ایتاء کے معنی کوئی چیز دینے کے ہیں اور قربیٰ کے معنیٰ رشتہ داری کے ہیں اور ذی القربیٰ کے معنی قرابت دار، رشتہ دار کے ہیں۔ کیا چیز دینی چاہئے اس کی قرآن میں دوسری جگہ تھوڑی سے صراحت ہے وایتاء ذی القربیٰ حقہ یعنی رشتہ دار کو اس کا حق دے دو اس سے مراد بیمار پرسی بھی ہے اور خبر گیری بھی، زبانی تسلی بھی ہے اور ہمدردی کا اظہار بھی، جسمانی خدمت بھی ہے اور مالی خدمت بھی۔

چونکہ حق کی بات اور رشتہ داری کی بات آئی ہے اور رشتہ داری اور حق دونوں بھی اہم ہیں اور اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے اس لئے اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس ادنیٰ مناسبت کی بناء خیال ہے کہ یہاں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے تعلق سے چند ضروری امور واضح کردئے جائیں۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ حقوق کے ادا کرنے کی بات تو آتی ہے لیکن وہ حقوق کیا ہیں اس کی وضاحت وصراحت بہت کم ہوتی ہے اس لئے ضرورتاً ہم یہاں چند حقوق کی وضاحت کئے دیتے ہیں تاکہ ہر شخص کو اس کی رعایت کرنا اور ادا کرنا آسان ہوجائے۔

اللہ کے حقوق

(۱) اللہ کی ذات وصفات کے تعلق سے قرآن وحدیث کے موافق اعتقاد رکھے

(۲) عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات تمام ہی شعبے اللہ کی مرضی کے موافق اختیار کرے۔

(۳) اللہ کی محبت کو سب کی محبت پر مقدم رکھے۔

(۴) کسی سے محبت یا دوری سب اللہ کے واسطے اختیار کرے۔

پیغمبر ﷺ کے حقوق

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا اعتقاد رکھے۔

(۲) تمام احکام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت کو دل میں جگہ دے۔

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم

(۱) صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت رکھے۔

(۲) ان کی اطاعت کرے۔

(۳) ان کے عادل ہونے کا اعتقاد رکھے۔

(۴) ان سے محبت کرنے والوں سے محبت اور ان سے دشمنی رکھنے والوں سے دشمنی رکھے۔

ماں باپ کے حقوق

(۱) قول وفعل دونوں لحاظ سے ان کی تعظیم کرے۔

(۲) جائز امور میں ان کی اطاعت کرے

(۳) ان کو ایذا نہ پہنچائے

(۴) اگر وہ ضرورت مند ہوں تو ان کی مالی خدمت کرے (اگرچہ دونوں کافر ہوں)

ماں باپ کے انتقال کے بعد

(۱) ان کیلئے دعائے مغفرت ورحمت کرتا رہے۔

(۲) نوافل، تلاوت، صدقات مالیہ کا ثواب ان کو پہنچاتا رہے۔

(۳) ان کے ذمہ جو قرض ہو اس کو ادا کرنے کی کوشش کرے۔

(۴) کبھی کبھی موقع موقع سے ان کی قبور کی زیارت کرے۔

دادا، دادی، نانا، نانی کے حقوق

دادا، دادی، نانا، نانی کا حکم شرعاً ماں باپ کی طرح ہے، پس ان کے حقوق بھی مثل ماں باپ کے سمجھنا چاہئیے۔ اسی طرح خالہ اور ماموں کی طرح چچا اور پھوپھی باپ کی طرح ہیں۔

اولاد کے حقوق

(۱) ان کا اچھا نام رکھنا

(۲) محبت وشفقت اور رحمت کے ساتھ ان کی پرورش کرنا

(۳) علم دین اور اسلامی آداب سکھانا

(۴) جب نکاح کے قابل ہوں تو ان کا نکاح کر دینا

بہن بھائی کے حقوق

بڑا بھائی باپ کی طرح اور چھوٹا بھائی اولاد کی طرح ہے، تو ان میں باہمی حقوق ویسے ہی ہوں گے جیسے والدین اور اولاد کے ہیں اس پر بڑی بہن اور چھوٹی

بہن کو قیاس کر لینا چاہئے۔

میاں کے ذمہ

(۱) اپنی وسعت کے موافق نان، نفقہ دے

(۲) نیک عمل کی تاکید کرتا رہے اور ان کو دینی مسائل سکھلاتا رہے

(۳) اس کے رشتہ داروں سے کبھی کبھی ملنے دے

(۴) اس کی کم فہمی پر اکثر صبر و سکوت سے کام لے کبھی تادیب کی ضرورت ہو تو اوسط درجہ کا لحاظ رکھے۔

بیوی کے ذمہ

(۱) ادب و دلجوئی کرے

(۲) مقدور بھر جائز امور میں اطاعت کرے

(۳) اس کی گنجائش سے زیادہ فرمائش نہ کرے

(۴) اس کا مال بغیر اجازت خرچ نہ کرے

(۵) شوہر کے رشتہ داروں سے سختی نہ کرے جس سے شوہر کو رنج پہنچے۔

عام مسلمانوں کے حقوق

☆ بوقت ملاقات سلام کرے

☆ اس پر حسد نہ کرے

☆ اس سے بدگمانی نہ کرے

☆ وہ سلام کرے تو جواب دے

☆ چھینک پر الحمد للہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہے

☆ اتفاقاً رنجش ہو جائے تو تین دن سے زیادہ ترک کلام نہ کرے

☆ مقدور بھر بھلائی کی بات پہنچائے اور برائی سے بچائے

☆ اس پر ظلم نہ کرے

☆ مریض پر احسان کرے

☆ مریض ہو تو عیادت اور ضرورتاً مالی مدد کرے

☆ مرجائے تو جنازہ پر حاضر ہو

استاذ اور مرشد کے حقوق

استاذ اور مرشد چونکہ بہ اعتبار تربیت باطنی مثل باپ کے ہیں، اس لئے ان کی اولاد یا قرابت داروں جیسا ہی معاملہ کرنا چاہئے، جس طرح اپنے ماں باپ یا اقارب کے ساتھ ہوتا ہے اور چونکہ شاگرد اور مرید مثل اولاد ہیں تو اپنے استاذ کا شاگرد اپنے پیر کا مرید بمنزلہ اولاد کے ہوا۔ اُن کے حقوق اسی مناسبت سے ادا کرے۔

شاگرد اور مرید کے حقوق

چونکہ شاگرد و مرید بمنزلہ اولاد کے ہے، شفقت اور دلسوزی میں ان کا حق مثل اولاد ہے۔

رشتہ داروں کے حقوق

☆ اپنے محارم اگر محتاج ہوں اور کھانے کمانے کی قدرت نہ رکھتے ہوں تو بقدر کفالت ان کے نان نفقہ کی خبر گیری کرے۔ نان نفقہ اولاد کی طرح پورے طور پر واجب نہیں لیکن کچھ خدمت کرنا ضروری ہے۔

☆ ان سے تعلقات کو نہ توڑلے

☆ ان سے اگر کسی قدر ایذاء بھی پہنچے تو صبر کرنا افضل ہے۔

پڑوسی کے حقوق

☆ وقتاً فوقتاً اس کے گھر ہدیہ بھیجے

☆ معمولی چیزوں میں اس سے نہ الجھے

☆ شدید ضرورت پیش آئے تو اس کی راحت کو اپنی راحت پر ترجیح دے

☆ اس کے گھرانہ کی حفاظت کا خیال رکھے۔

ضعیفوں اور مسکینوں کے حقوق

☆ ان سے تسلی کی بات کرے

☆ ظاہری' جسمانی خدمات کی ضرورت پڑے تو ساتھ دے

☆ بقدر وسعت مالی خدمت کرے

☆ ان کی حاجت کو رد نہ کرے

مہمانوں کے حقوق

☆ ان کے آنے کے موقع پر خوشی ظاہر کرے

☆ ان کی جائز ضروریات کا انتظام کرے

☆ کم از کم تین روز تک اس کی خاطر مدارات کرے اور ایک روز کھانے میں متوسط درجہ کا تکلف اختیار کرے

☆ اتنا تکلف نہ کرے کہ اپنے کو تردد ہو اور اس کو حجاب ہو۔

☆ مہمان واپس ہو تو کم از کم دروازے تک ساتھ جائے۔

غیر مسلموں کے حقوق

☆ کسی کو جانی یا مالی تکلیف نہ دے

☆ بدزبانی نہ کرے

☆ مصیبت میں مبتلا دیکھے تو مدد کرے

☆ مریض ہو تو عیادت کرے، معالجہ کرے

☆ جس صورت میں شرعاً سزا کی اجازت ہے اس میں ظلم نہ کرے

نوٹ:- ایک انتہائی اہم اور ضروری بات:-

ہمیں عرض کرنا اور آپ کو یاد رکھنا ضروری ہے وہ یہ کہ جو کچھ حقوق یہاں کسی بھی عنوان سے مذکور ہیں، یہ سمجھے کہ وہی سارے حقوق ہیں اور بالکل اس کے علاوہ کوئی اور حقوق نہیں ہیں ایسا نہیں اور بہت سے حقوق بتلائے، سمجھائے اور لکھے جاسکتے ہیں۔ یہاں چند اہم حقوق کے لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

فحشاء:- ہر ایسے برے فعل یا قول کو کہا جاتا ہے جس کی برائی کھلی ہوئی ہو اور واضح ہو ہر شخص اس کو برا سمجھے۔

مُنکر:- وہ قول و فعل ہے جس کے حرام و ناجائز ہونے پر اہلِ شرع کا اتفاق ہو اس لئے اجتہادی اختلافات میں کسی جانب کو منکر نہیں کہا جاسکتا اور لفظ منکر میں تمام ظاہری و باطنی اور عملی و اخلاقی گناہ سب داخل ہیں۔

بغی:- کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے آتے ہیں۔ لفظ منکر میں اتنی عمومیت ہے کہ اس میں فحشاء اور بغی داخل ہیں لیکن ان کی انتہائی برائی ظاہر کرنے مزید علیحدہ ذکر کیا گیا اور آیت میں اس کی تقدیم کی بھی یہی وجہ ہے اور بغی کے لفظ کو علیحدہ ذکر کرنے میں اس ظلم و تعدی کو بتلانا ہے کہ اس کا اثر صرف اس تک محدود نہیں بلکہ دوسروں تک پہنچتا ہے اور یہ اثر جنگ وجدال پوری دنیا پر پڑسکتا ہے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انصاف کی بات یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کی گواہی دے اور فرائض ادا کرے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حدود انصاف یہ ہیں کہ شرک ترک کرے اور عبادت اس طرح کرے جیسے حدیث احسان

میں ہے۔احسان دوسرے سے حسن سلوک کو بھی کہتے ہیں۔ایتاء ذی القربیٰ میں صلہ رحمی مراد ہو سکتی ہے۔

شرمناک، مذموم قول و فعل کو فحشاء کہا جاتا ہے اور منکر تمام ممنوعات شرعیہ منکرات ہی کہلاتے ہیں۔عدل کے مقابل فحشاء ہے، احسان کے مقابل منکر ہے اور صلہ رحمی اور شفقت و محبت کے مقابل بغی ہے۔

اعتدال کی تاکید

چھٹے پارہ کے تیسرے رکوع میں اہل کتاب کو خطاب کر کے حق تعالیٰ نے ان کی بد اعتقادی دور کرنے کی ہدایت دی ہے۔یعنی اہل کتاب! تم اپنے دین کے بارے میں عقیدہ حق کی حد سے مت نکلو اور خدا کی شان میں غلط بات مت کہو۔غلو فی الدین کو حرام قرار دیا گیا ہے۔دین میں غلو ہی کی وجہ سے یہود و نصاریٰ تباہ ہوئے ہیں اور ان کی تباہی مشاہدے میں آ گئی۔اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس معاملہ میں پوری احتیاط کی تاکید فرمائی ہے۔

مسند احمد میں حضرت عمرؓ کی ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لاتطرونی کما اطرت النصری یم فانما انا عبدفقور اعبداللّٰہ ورسولہ

میری مدح و ثنا میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا نصاریٰ نے عیسیٰؑ کے معاملہ میں کیا ہے۔خوب سمجھ لو میں اللہ کا بندہ ہوں۔اس لئے تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہا کرو۔

غلو کی معنی حد سے نکل جانے کے ہیں۔دین میں غلو کا مطلب یہ ہے کہ اعتقادات و اعمال میں دین نے جو حدود مقرر کی ہیں ان سے آگے بڑھ جائیں۔بنی اسرائیل کو اس دور کے پیغمبروں نے دارین کی سعادت و عافیت کا جو دستور دیا تھا اس کی قدر و منزلت پہچاننے، قبول کرنے اور تعظیم کرنے کے بجائے انہوں نے انبیاء کے ساتھ برا سلوک کیا۔بعض انبیاء کو جھٹلایا اور بعضوں کو قتل کر ڈالا یا پھر وہ کجروی کی

اس سطح پر تھے کہ رسولوں کی تعظیم میں غلو کر کے ان کو خدا بنا دیا۔ قرآن مجید نے یہودیوں کے بارے میں بھی اس بات کی وضاحت کی ہے اور خود نصاریٰ نے بھی۔ مثلاً انبیاء کی تعظیم کی حد یہ ہے کہ ان کو مخلوق خدا میں سب سے افضل جانیں مگر اس سے آگے بڑھ کر خدا یا خدا کا بیٹا کہہ کر اعتقادات میں غلو سے کام لیا۔

یہی وہ افراط وتفریط کے معنی فرض کی ادائیگی میں کوتاہی اور کمی کرنے کے ہیں۔ متعلقہ آیات میں اہل کتاب کو مخاطب کر کے جو ہدایات قیامت تک آنے والے انسانوں کو دی گئی ہیں وہ دین اور اس کی پیروی میں بنیادی اصول کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حج کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کو فرمایا رمی جمار کے لئے کنکریاں جمع کریں، انہوں نے متوسط قسم کی کنکریاں پیش کر دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہت پسند فرما کر دو مرتبہ ارشاد فرمایا بمثلھن بمثلھن ایسی ہی متوسط کنکریوں سے جمرات پر رمی کرنا چاہئے۔ پھر فرمایا ایاکم و الغلو فی الدین فانما ھلک من قبلکم بالغلو فی دینھم یعنی غلو فی الدین سے بچتے رہو کیوں کہ تم سے پہلی امتیں غلو فی الدین ہی کی وجہ سے برباد ہوئیں۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جمرات پر جو کنکریاں پھینکی جاتی ہیں ان کی حد مسنون یہ ہے کہ وہ متوسط ہوں نہ بہت چھوٹی ہوں نہ بہت بڑی' بڑے بڑے پتھر اٹھا کر پھینکنا غلو فی الدین میں داخل ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حد شرعی وہ ہے جو حضور ﷺ نے اپنے قول وعمل سے متعین فرما دی اس سے تجاوز کرنا غلو ہے۔

ارشاد ربانی:-

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

اور اے متبعانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنادی ہے جو ہر پہلو سے نہایت اعتدال پر ہے تا کہ دنیا میں شرف و امتیاز

حاصل کرنے کے علاوہ آخرت میں بھی تمہارا بڑا اشرف ظاہر ہو اور ابوسعید خدریؓ کی روایت میں وسط کی تفسیر عدل سے منقول ہے جس کے معنی بہترین کے آتے ہیں۔

وصف اعتدال کی اہمیت:۔

اس کو پہلے ایک محسوس مثال سے دیکھئے۔ دنیا جتنے نئے اور پرانے طریقے جسمانی صحت وعلاج کے جاری ہیں، طب یونانی، ویدک، ایلوپیتھک، ہومیو پیتھک وغیرہ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ بدن انسانی کی صحت اعتدالِ مزاج سے ہے جہاں اس اعتدال میں خلل پڑا وہیں بدن انسان کا مرض۔ خصوصاً طب یونانی کا بنیادی اصول ہی مزاج کی پہچان پر موقوف ہے۔ انسان کا بدن خون، بلغم، سوداء، صفراء، اخلاط سے مرکب ہوتا ہے اور ان ہی چاروں سے پیدا شدہ کیفیات انسان کے بدن میں ضروری ہیں۔ گرمی، ٹھنڈک، خشکی، تری، جس وقت یہ چاروں کیفیات مزاج انسانی کا مناسب حدود کے اندر معتدل رہتی ہیں وہ بدن کی صحت وتندرستی کہلاتی ہے اور جہاں ان میں سے کوئی کیفیت مزاج انسانی کی حد سے زیادہ ہوجائے یا گھٹ جائے وہی مرض ہے اگر اس کی اصلاح وعلاج نہ کیا جائے تو ایک حد میں پہنچ کر وہی موت کا پیام ہوجاتا ہے۔

اس محسوس مثال کے بعد اب روحانیات اور اخلاقیات کی طرف آتے ہیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں بھی اعتدال ہے اور اعتدال کا یہی طریقہ جاری ہے۔ اس اعتدال کا نام روحانی صحت اور بے اعتدالی کا نام روحانی اور اخلاقی مرض ہے۔ اس مرض کا اگر علاج کر کے اعتدال پر نہ لایا جائے تو اس کا نتیجہ موت ہے۔

اعتقادی اعتدال:۔

پچھلی امتوں میں ایک طرف تو یہ نظر آئے گا کہ اللہ کے رسولوں کو اس کا بیٹا بنالیا اور ان کی عبادت کرنے لگے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْزُ ن ابْنُ اللهِ وَقَالَتِ النَّصَارٰى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللهِ

اور دوسری طرف ان ہی قوموں کے دوسرے افراط کا یہ عالم بھی مشاہدے میں آئے گا۔ رسولؑ کے مسلسل معجزات دیکھنے اور برتنے کے باوجود جب ان کا رسول ان کو کسی جنگ و جہاد کی دعوت دیتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّاهٰهُنَا قَاعِدُوْنَ

یعنی جائیے آپ اور آپ کا پروردگار ہی مخالفین سے قتال کریں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ کبھی یہ بھی نظر آتا ہے کہ اپنے انبیاء کو خود ان کے ماننے والے طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے ہیں۔ بخلاف امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ہر زمانے میں ایک طرف اپنے رسول ﷺ سے وہ عشق و محبت رکھتے ہیں اس کے آگے سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔

اور دوسری طرف یہ اعتدال کہ رسول ﷺ کو رسول اور خدا کو خدا سمجھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بایں ہمہ کمالات وفضائل عبدہ' ورسولہ، مانتے ہیں۔

اعمال و عبادات میں اعتدال:

پچھلی امتوں میں ایک طرف تو یہ نظر آئے گا کہ رشوتیں لے کر آسمانی کتابوں میں ترمیم کی جاتی، غلط فتوے دیئے جاتے، جسے تراش کر شرعی احکام بدل دیئے جاتے اور عبادت سے پیچھا چھڑا لیا جاتا۔

اور دوسری طرف عبادت خانوں میں آپ کو ایسے لوگ بھی نظر آئیں گے جنہوں نے ترک دنیا کر کے رہبانیت اختیار کر لی اور خدا کی دی ہوئی حلال نعمتوں سے بھی اپنے آپ کو محروم کر لیا۔ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف ایک طرف رہبانیت کو انسانیت پر ظلم قرار دیا اور دوسری طرف احکام خدا اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مر مٹنے کا جذبہ پیدا کیا اور قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کے مالک بن کر

دنیا کو دکھلا دیا کہ دیانت وسیاست میں یا دین ودنیا میں منافات نہیں۔ مذہب صرف مسجدوں یا خانقاہوں کے گوشوں کے لئے نہیں آیا بلکہ اس کی حکمرانی بازاروں اور دفتروں پر بھی ہے۔

معاشرتی اور تمدنی اعتدال:-

اس کے بعد معاشرت اور تمدن کو دیکھئے تو پچھلی امتوں میں آپ ایک طرف یہ بے اعتدالی دیکھیں گے کہ انسانی حقوق کی کوئی پرواہ نہیں، حق ناحق کی کوئی بحث نہیں۔ اپنے اغراض کے خلاف جس کو دیکھا اس کو کچل ڈالنا، قتل کر دینا، لوٹ لینا سب سے بڑا کمال سمجھا گیا۔ ایک رئیس کی چراگاہ میں کسی دوسرے کا اونٹ گھس گیا اور وہاں کچھ نقصان کر دیا تو عرب کی مشہور جنگ حرب بسوس **100** برس جاری رہی، ہزاروں انسانوں کا خون ہوا' عورتوں کو انسانی حقوق دینا تو درکنار زندہ رہنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ کہیں بچپن ہی میں ان کو زندہ درگور کر دینے کی رسم تھی تو کہیں مردہ شوہروں کے ساتھ ستی کر کے زندہ جلا دینے کا رواج تھا۔ اس کے برخلاف دوسری طرف یہ رحمدلی کہ کیڑے مکوڑوں کی ہتھیا کو حرام سمجھتے ہیں، جانوروں کے ذبیحہ کو حرام قرار دیں' خدا کے حلال کردہ جانور سے نفع اٹھانے کو ظلم سمجھنے لگے۔ امت محمدیہ ﷺ اور اس کی شریعت نے ان سب بے اعتدالیوں کا خاتمہ کیا۔ ایک طرف انسان کو انسانوں کے حقوق بتلائے اور نہ صرف صلح ودوستی کے وقت بلکہ عین میدان جنگ میں مخالفین کے حقوق کی حفاظت بھی سکھلائی۔ دوسری طرف ہر چیز کی حد مقرر فرمائی جس سے آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے کو جرم قرار دیا اور اپنے حقوق کے معاملہ میں درگذر' عفو وچشم پوشی کا سبق سکھلایا۔ دوسروں کے حقوق کا پورا احترام کرنے کے آداب سکھلائے۔

اقتصادی اور مالی اعتدال:-

دنیا کی ہر قوم وملت میں سب سے اہم مسئلہ معاشیات اور اقتصادیات کا ہے۔اس میں بھی دوسری قوموں اور امتوں میں طرح طرح کی بے اعتدالیاں نظر آئیں گی۔ایک طرف نظام سرمایہ داری ہے اور دوسرے لوگوں کی خوشحالی اور بدحالی سے آنکھیں بند کر کے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کر لینا سب سے بڑی فضیلت سمجھی جاتی ہے۔

دوسری طرف شخصی اور انفرادی ملکیت ہی کو سرے سے جرم قرار دیا جاتا ہے اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں اقتصادی نظاموں کا حاصل مال و دولت کی پرستش ہے۔

حضور ﷺ نے ایک موقع پر نجات دینے والی چیزیں بیان فرمائیں۔یہاں ہم ان میں سے وہ حصہ ذکر کریں گے جو مذکورہ موضوع سے متعلق ہیں۔

فرمایا **القصد فی الغنی و الغفر** یعنی مالداری اور محتاجی دونوں حالات میں میانہ روی، نجات دینے والی چیز ہے۔تنگدستی اور خوشحالی دونوں حالات میں اعتدال کا خیال رکھے اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حظوظ کو کم کردے اور حقوق کو ادا کرے۔

اگر گناہ میں خرچ کرے یا ایسے ناجائز کاموں میں صرف کرے جو گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب بنیں جیسے زیادہ قیمتی لباس پہننے سے عُجب، تکبر، ریا یا سودی قرض میں مبتلا ہو تو یہ سب اسراف ہے اور حرام ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **وما احسن القصد وفی الفق** کیا ہی اچھی چیز ہے مالداری میں اعتدال اور کیا ہی اچھی چیز ہے غربت میں اعتدال۔تو ہر چیز کے حدود ہیں۔بے موقع بے محل خرچ نہ کرے اور مواقع معلوم کر کے اس کے موافق معاملہ کرنے سے اعتدال باقی رہے گا اور قرآن میں ہے اور جب وہ خرچ

کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اوران کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔تو اعتدال فی المال فی الفق والغنی منجیات میں سے ہے اس میں اعتدال پیدا کیا۔ایک طرف تو دولت کو مقصدِ زندگی بنانے سے منع کیا اور انسانی عزت وشرافت اور کسی منصب وعہد کا مدار اس پر نہیں رکھا اور دوسری طرف تقسیم دولت کے ایسے پاکیزہ اصول مقرر فرمائے جن سے کوئی انسان ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے اور کوئی فرد ساری دولت کو نہ سمیٹ لے۔قابل اشتراک چیزوں کو مشترک اور وقف عام رکھا۔مخصوص چیزوں میں انفرادی ملکت کو مکمل احترام کیا۔حلال مال کی فضیلت، اس کے رکھنے اور استعمال کرنے کے طریقے بتلائے۔

اس وقت بطور مثال چند نمونے اعتدال اور بے اعتدال کے پیش کرنے تھے اس کیلئے اتنا ہی کافی ہے جس سے آیت مذکورہ کا مضمون واضح ہو گیا کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک معتدل اور بہترین امت بنایا گیا ہے خود صوفیاء کرام اور اولیاء عظام کی تعلیمات میں بھی راہ اوسط کی تعلیم دی گئی ہے۔

راہ شریعت کے حاملین کیلئے شرک وکفر کے افراط وتفریط سے بچ کر راہ اوسط یعنی توحید پر قائم رہنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔

راہِ طریقت کے سالکین کیلئے افراط وتفریط سے بچ کر راہِ اوسط یعنی شرک خفی سے بچنا ہے۔

راہِ حقیقت کے حاملین کیلئے افراط وتفریط سے بچ کر راہِ اوسط یعنی شرک خفی سے بچنے کی تلقین کی جاتی ہے۔

راہِ معرفت کے واصلین کیلئے افراط وتفریط سے بچ کر راہِ اوسط یعنی شرک خفی الاخفیٰ سے بچنے کی تلقین کی جاتی ہے لیکن اولیاء کی ان تعلیمات کو تفصیلاً کسی اللہ والے

سے سمجھنا موجب خیر و برکت اور باعث سعادت ہوتا ہے۔اس کیلئے صدقِ طلب اور جہد مسلسل دور معیت صادقین کی ضرورت ہے اسکے بغیر یہ عقدے حل نہیں ہوتے۔

علماء و مشائخ کی تعظیم اور اتباع میں اعتدال:۔

شاہ ولی اللہ دھلویؒ نے اپنی کتاب میں تحریف دین کے کیا اسباب پیش آئے ہیں اور شریعت نے ان سب دروازوں پر کس طرح پہرہ بٹھایا ہے کہ کسی سوراخ سے یہ وباء اس امت میں نہ پھیلے۔

ان اسباب میں سے دین کے بارے میں تعمق میں تشدد یعنی غلو فی الدین کو بڑا سبب قرار دیا مگر افسوس ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر اہتمام اور شریعت کی اتنی پابندیوں کے باوجود آج امت مسلمہ اس غلو کا بری طرح شکار ہے۔ دین کے سارے ہی شعبوں میں اس کے آثار نمایاں ہیں ان میں سے بالخصوص جو چیز ملت کیلئے مہلک اور انتہائی مضر ثابت ہو رہی ہے وہ دینی مقتدا اور پیشواؤں کا معاملہ ہے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت تو اس پر گئی کہ مقتداء، پیشوا، علماء وعرفاء کوئی چیز نہیں، کتاب اللہ ہمارے لئے کافی ہے جیسے وہ اللہ کی کتاب سمجھتے ہیں۔

ہم بھی سمجھتے ہیں ھم رجال ونحن رجال یعنی وہ بھی آدمی ہیں ہم بھی آدمی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شخص جو نہ عربی زبان سے واقف، نہ قرآن کے حقائق و معارف، نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان و تفسیر سے، محض قرآن کا ترجمہ دیکھ کر اپنے آپ کو قرآن کا عالم کہنے لگے۔ قرآن کی جو تفسیر و تشریح خود حضور ﷺ سے صحابہؓ سے منقول ہے، اس سب سے قطع نظر جو بات ذہن میں آ گئی اس کو قرآن کے سر تھوپ دیا حالانکہ اگر صرف کتاب بغیر معلم کے کافی ہوتی تو اللہ کو یہ قدرت تھی کہ کتاب کے نسخے لکھے لکھائے، لوگوں کو پہنچا دیتے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم بنا کر بھیجنے کی ضرورت نہ تھی اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ

بات صرف کتاب اللہ کے ساتھ مخصوص نہیں کسی بھی علم وفن کی کتاب کا محض ترجمہ دیکھ کر کبھی بھی کوئی شخص حکیم وڈاکٹر نہیں بن جاتا۔ صرف کتابیں دیکھ کر کوئی انجینئر نہیں بنتا۔ کپڑا سینے یا کھانا پکانے کی کتابیں دیکھ کر کوئی درزی یا باورچی نہیں بنتا، بلکہ ان سب چیزوں میں تعلیم اور معلم کی ضرورت سب کے نزدیک مسلمہ ہے۔ مگر افسوس کہ قرآن وسنت ہی کو ایسا سرسری سمجھ لیا گیا ہے کہ اس کیلئے کسی معلم کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، چنانچہ ایک بہت بڑی تعلیم یافتہ لوگوں کی جماعت تو اس غلو میں بہہ گئی کہ صرف قرآن کے مطالعہ کو کافی سمجھ بیٹھی، علماء سلف کی تفسیروں، تعبیروں اور ان کے اقتدار واتباع کو سرے سے نظر انداز کر دیا۔

دوسری طرف ایک بھاری جماعت مسلمانوں کی اس غلو میں مبتلا ہوگئی کہ اندھا دھند جس کو چاہا اپنا مقتدا اور پیشوا بنالیا پھر ان کی اندھی تقلید کی۔

شریعت اسلام نے غلو سے بچا کر ان دونوں کے درمیان طریقہ کار یہ بتلایا کہ کتاب اللہ کو رجال اللہ سے سیکھو اور رجال اللہ کو کتاب اللہ سے پرکھو یعنی قرآن و سنت کی مشہور تعلیمات کے ذریعہ ان لوگوں کو پہچانو جو کتاب وسنت کے علوم میں مشغول ہیں اور ان کی زندگی کتاب وسنت کے رنگ میں رنگی ہوتی ہے۔ پھر کتاب و سنت کے الجھے ہوئے مسئلہ میں ان کی تفسیر تشریح کو اپنے رائے سے مقدم سمجھو اور ان کا اتباع کرو (معارف القرآن)

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ.

جمعہ کے خطبوں میں یہ آیت سلف صالحین کے دور سے آج تک پڑھی جاتی رہی ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اس آیت کو جامع ترین آیت فرمایا۔

حضور اکرم ﷺ کے دورِ نبوت اور اظہار نبوت کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضور ﷺ کے پاس جانا چاہا وہ چونکہ اپنی قوم کے سردار تھے اس لئے ان کے لوگوں نے کہا کہ آپ ہمارے سردار ہیں آپ کا جانا مناسب نہیں پھر اکثر نے قبیلہ کے دو افراد کو منتخب کیا کہ وہ جائیں اور حالات کا جائزہ لیکر آئیں۔

چنانچہ وہ لوگ حضور ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے دوسوال کئے۔ من انت وما انت ؟ آپ کون ہیں اور کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا پہلے سوال کا جواب محمد بن عبداللہ ہے اور دوسرے سوال کا جواب محمد رسول اللہ ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے سورہ نحل کی اس مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی تو انہوں نے پھر دہرانے کا تقاضا کیا آپ اس کی تلاوت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انہیں وہ آیت یاد ہوگئی۔

قاصد واپس آئے اور تفصیل سنائی۔ پھر اوروں سے نسب معلوم کیا تو تحقیق ہوئی کہ وہ عالی نسب ہی نہیں شرافت نسبی رکھتے ہیں اور آیت سننے کے بعد اکثم نے کہا کہ وہ اخلاق کریمانہ کے حامل اور داعی معلوم ہوتے ہیں۔ تم سب ان کے دین میں داخل ہو جاؤ اور لوگوں سے آگے رہو پیچھے نہ ہو جانا۔

حضرت عثمان بن مظعون ؓ خود فرماتے ہیں کہ شروع میں لوگوں کے کہنے سننے سے اسلام قبول کرلیا تھا مگر میرے دل میں اسلام راسخ نہ ہوا تھا یہاں تک کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا قاصد میرے پاس آیا اور یہ آیت مجھ پر نازل ہوئی، اس واقعہ کو دیکھ کر اور اس آیت کو سن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی۔

تین مامورات، تین منہیات:

آیت مذکور میں تین مامورات اور تین منہیات ہیں۔ جن تین چیزوں کا اللہ نے حکم دیا ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) عدل (۲) احسان (۳) ادائی حقوق

اور جن تین چیزوں سے منع فرمایا ہے وہ یہ ہیں

(۱) فحش کام (۲) ہر برا کام (۳) ظلم وزیادتی

عدل کے لغوی معنی برابری کے ہیں، چونکہ حکام لوگوں کے معاملات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں اس لئے اسے عدل کہا جاتا ہے۔ افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کو بھی عدل کہتے ہیں۔ انسان کا ظاہر و باطن برابر ہو تو اسے بھی عدل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اونٹ کی پیٹھ پر دونوں جانب سامان لادے جانے اور دونوں جانب برابر کرنے کو بھی عدل البعیر کہا جاتا تھا۔ کائنات کا نظام اسی عدل کی اساس پر ہے۔ عدل حق تعالیٰ کی سنت ہے۔ حق تعالیٰ کے اسما میں سے ایک ہے۔ وہ عدل وانصاف کرنے والا ہے۔ اسی اسم ذات کے پرتو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صفت عدل سے متصف کر دیا تھا اور سراپا انصاف کرنے والے اور منصف دل تھے۔ اگر اس دنیا میں روح عدل کارفرما نہ ہو تو نظام بگڑ جائے اور کائنات کے نظام کی مکمل اور مستحکم ہم آہنگی اور انتہائی موزوں اور متوازن نظم قانون عدل کے تابع نظر آتا ہے۔

آسمان کو بنایا اور میزان عدل کو بھی قائم فرما دیا، تمہیں بھی چاہیئے کہ اس عدل کی ترازو کو قائم رکھو اور ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو کہ اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہونے پائے۔ جب تمہیں لوگوں کے معالات کا فیصلہ کرنا پڑے تو انصاف کرنے والے عادل حکمراں قیامت کے دن نور کے منبروں میں رہیں گے۔ خلفاء راشدین کا پورا دور عدل وانصاف سے لبریز ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس آیت کی اہمیت کے پیش نظر اس کو خطبہ میں رکھنا مناسب جانا۔ عدل وانصاف کے وہ واقعات جو حکمرانی اور خلافت اور منصب قضا اور معاملات سے متعلق ہیں وہ لمبی چوڑی تفصیلات چاہتے ہیں۔

اقسام عدل:-

(۱) اللہ کے حق کو اپنے نفس کے حق مقدم کرے اور اللہ کی رضا کو خواہش پر مقدم جانے

(۲) آدمی اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے یعنی ایسی تمام چیزوں سے نفس کو بچائے جس میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت نہ ہو

(۳) تمام مخلوقات کے ساتھ ہمدردی کا صلہ کرے کسی انسان کو ظاہری اور باطنی طور پر تکلیف نہ پہنچائے

(۴) دونوں فریق کوئی معامہ لائیں تو فیصلہ میں کسی ایک طرف میلان کے بغیر حق کے مطابق فیصلہ کرے۔

(۵) ہر معاملہ میں افراط و تفریط کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرے، بحر محیط میں ابو عبداللہ رازیؒ نے فرمایا ہے کہ لفظ عدل میں عقیدے کا اعتدال، عبادات کا اعتدادل، معاملات کا اعتدال، اخلاقیات کا اعتدال سب شامل ہیں۔

ویسے بھی فطری اور طبعی طور پر سلیم الفطرت آدمی بیشتر امور میں اعتدال ہی کو پسند کرتا ہے۔ بے اعتدالی کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

مثال اول: اگر انتہائی گرم کھانا اس کے سامنے رکھ دیا جائے تو کہتا ہے اُف! بہت گرم ہے، ذرا ٹھنڈا ہونے دیجئے، اگر اسی طرح استعمال کیا گیا تو منہ جل جائے گا' آبلے پڑ جائیں گے۔ اس کے برخلاف اگر اس کے سامنے بالکل ٹھنڈا کھانا رکھ دیا جائے تو کہتا ہے کہ ارے یہ تو بالکل ٹھنڈا ہے اس کو گرم کر لیا جائے۔

مثال دوم: اگر کسی شخص کو کوئی مشروب پیش کیا گیا اگر اس میں بہت زیادہ شکر ڈال دی جائے تو کہتا ہے کہ تم نے تو اسے شربت بنا دیا اور اگر بالکل شکر نہ ڈالی جائے تو کہا جاتا ہے کہ بالکل پھیکا ہے، تھوڑی سی شکر ڈالر کر میٹھا بنا دو تا کہ طبیعت استعمال کو آمادہ ہو۔

مثال سوم : کسی چیز کی کمیت وکیفیت کے اعتبار سے بھی معتدل صورتحال کو پسند کرتا ہے مثلاً اگر کسی نے آپ سے پانی مانگا اور آپ نے اس کو چند قطرے دیئے تو کہتا ہے اس کو کیا کروں اس کے برخلاف اگر پینے کیلئے اس کی خدمت میں گھڑا پیش کیا جائے تو کہتا ہے جاہل کہیں کے معاشرتی اور تمدنی آداب سے ناآشنا ہو تمہیں تہذیب نہیں آتی۔

مثال چہارم :جب کوئی شخص بے ہنگم انداز سے گاڑی چلانے لگے تو کہتے ہیں بے تحاشہ اس طرح سواری دوڑا کر کیا موت کو دعوت دے رہے ہو، اس کے برخلاف اگر راستہ بھی ٹھیک اور مقدرت بھی اور سواری بھی موجود ہے لیکن انتہائی سست رفتاری سے رینگنے اور چلنے لگے تو کہا جاتا ہے کہ اس طرح کی سست رفتاری سے تو منزل مقصود پر پہنچنا دشوار ہو جائے گا۔

مثال پنجم :اگر کوئی شخص چیخ و پکار کے ساتھ بیان شروع کر دیا اور شور شرابہ بھی ہے اور آواز اتنی بے ڈھنگی کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تو کہا جاتا ہیکہ کان بہرے ہوئے جا رہے ہیں، نہ سنائی دے رہا ہے نہ سمجھ میں کچھ آرہا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی اتنا آہستہ گفتگو کرنے لگے کہ قریب سے قریب شخص کو بھی سننے اور سمجھنے سے محروم ہے ایسے وقت کہا جاتا ہے کہ آواز بلند فرمایئے تاکہ سن سکیں اور سمجھنا بھی آسان ہو۔

مثال ششم :اگر کوئی طالب علم انتہائی پھٹے پرانے کپڑوں میں رہے تو آپ کہتے ہیں کیا بات ہے کیا دھونے کیلئے صابن نہیں یا سینے کیلئے سوئی دھاگہ نہیں۔ اس طرح بے یار و مددگار اور بے سہارا کیوں ہو۔ اس کے برخلاف اگر کوئی طالب علم زرق برق کے کپڑے پہنے شاہی ٹھاٹ کے انداز پر نکلے تو کہتے ہیں

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو بہ انداز بہار آئی ہے

عیش پسندی چھوڑو، جفاکشی اختیار کرو محنت سے کام لو۔

مثال ھفتم: اگر کوئی طالب علم ہمیشہ سوتا رہے تو کہا جاتا ہے کہ بیکار وقت خراب کررہے ہو کیوں روٹی حرام کررہے ہو۔ ایسا داخلہ لینے سے کیا حاصل جس میں حصول علم کیلئے جستجو اور محنت نہ ہو اس کے برخلاف اگر کوئی طالب بہت زیادہ پڑھنے لکھنے میں مشغول ہوگیا کہ آرام کو بھی خیر باد کہہ دیا اور سونا اپنے لئے حرام کررکھا ہے تو کہا جاتا ہے کہ تم بھی پریشان ہوگے اور دوسروں کو بھی پریشان کروگے، بقدر ضرورت آرام کرو ورنہ طبیعت بگڑ جائے گی۔

الغرض آپ دیکھیں گے کہ زندگی کے ہر ہر شعبہ میں انسان افراط وتفریط کو ناپسند کرتا ہے اور راہ اوسط کو پسندیدہ سمجھتا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے۔ راہ اعتدال اور راہ اوسط مطلوب ومحمود ہے۔

اسی طرح حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نظر کی بھی تین اقسام بیان فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ تفریط کی نظر والے مجوبین ہیں اور افراط کی نظر والے مجذوبین ہیں اور اپنی نظر میں راہ اوسط کا کمال رکھنے والے یہ محبوبین ہیں۔ یہی مطلوب بھی ہے اور محمود بھی اور حضور اکرم ﷺ انسانوں کو نہ مجوب بنانے کیلئے آئے نہ مجذوب بنانے کیلئے آئے بلکہ محبوبیت کی دعوت دی اور خود بھی محبوب رب العالمین اور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ان تمام تفصیلات کے جاننے کے بعد یہ بات سمجھنی مشکل نہ ہوگی کہ افراط و تفریط سے بچ کر راہ اوسط پر کیسے چلا جاسکتا ہے۔

انسان اپنے اندر مختلف قسم کی صلاحیتیں رکھتا ہے، ان ہی قوتوں کا جب ظہور ہوتا ہے تو مختلف اعمال وثمرات وقوع پذیر ہوتے ہیں اور جو صلاحیتیں انسان کے اندر پائی جاتی ہیں ان کی تربیت نہ ہو تو وہ صراط مستقیم پر قائم نہیں رہتا بلکہ افراط و

تفریط کا شکار ہو کر انسانی سطح سے گر جاتا ہے اور حیوانی سطح پر آ کھڑا ہوتا ہے۔

ان مختلف قوتوں میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دور بین نظریں دور رس نگاہوں نے ان ہی کی اصلاح کیلئے خصوصی توجہ دی ہے اور اہل تحقیق نے انہیں اصول اخلاق کا نام بھی دیا ہے وہ تین صلاحیتیں اور قوتیں کیا ہیں۔

(۱) قوت عقلیہ (۲) قوت شہویہ (۳) قوت غضبیہ

ان تینوں قسم کی قوتوں میں تین تین درجات ہیں۔ ایک درجہ افراط کا، دوسرا تفریط کا اور تیسرا راہ اوسط کا ہے۔ ان ہی تفصیلات کو ذکر کرنا اس تحریر کا منشاء ہے تا کہ ہمیں راہ عدل و اعتدال اختیار کر کے صراط مستقیم پر قائم کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

(۱) قوت عقلیہ: وہ قوت ہے جس کے ذریعہ آدمی اپنے نفع و ضرر کو سمجھتا ہے۔ یہ ادراک کرنے والی اور ادراک کی جانے والی ایک قوت انسان میں ہے اسے قوت عقلیہ کہا جاتا ہے۔ اس کے تین مدارج ہیں۔

(۱) افراط (۲) تفریط اور (۳) اعتدال

افراط:- اگر اپنی دیکھی بھالی معلومات اور رسائی ذہن کو اتنا اونچا سمجھنے لگے کہ وحی کا بھی انکار کرنے لگے اور یونانیوں کی طرح عقل ہی کو سب کچھ سمجھے تو یہ افراط کا درجہ کہلاتا ہے۔ اسے جزبرہ کہتے ہیں یہ حد سے گذر جانا ہے۔ انتہائی مذموم بھی ہے اور مہلک بھی۔

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

تفریط:- اگر اس درجہ سفاہت و جہالت ہے کہ عقل و سمجھ اور تعقل نام کی کوئی چیز ہی نہیں۔ یہ قوت عقلیہ کا درجہ تفریط ہے اصطلاحاً اسے سفاہت کہتے ہیں جو انحطاطی درجہ کی بے حد بے عقلی ہوتی ہے۔

اعتدال:- اگر آدمی سفاہت اور بے وقوفی کا شکار نہیں ہو اور نہ عقل ہی کو سب کچھ

سمجھتا ہے بلکہ مناسب وممکنہ حدود تعقل و سمجھ کے ذریعہ حکمتوں سے مالا مال ہوتا ہے اور وحی کی برکات سے بھی مستفید ہوتا ہے اور شریعت مطہرہ کو مخدوم اور اپنی عقل کو خادم جانتا ہے تو وہ راہ اوسط پر قائم ہے۔ اس راہ اعتدال کو حکمت کہا جاتا ہے یہ بڑی دانشمندی اور دانائی کی بات ہے۔

(۲) قوت شہویہ:- یہ وہ قوت ہے جس کے ذریعہ کوئی چیز منفعت بخش معلوم ہوتی ہے تو اس کو حاصل کرنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ اس قوت کے بھی افراط وتفریط اور اعتدال تین درجے ہیں۔ اس میں بھی افراط وتفریط کے درجے غیر مطلوب اور راہِ اوسط مطلوب ہے۔

اگر شہوانی قوت کا بے جا استعمال شروع ہوجائے مثلاً حد سے تجاوز کرنے لگے اس طور پر کہ بیوی اور اجنبی اس کے نزدیک برابر ہوجائیں اور حلال وحرام کی تمیز ختم ہوجائے اور تمیز چھوڑ کر بے تمیز یا بدتمیز ہوجائے تو یہ ظلم وزیادتی ہے۔ افراط کا درجہ ہے اس کا علمی نام فجور ہے۔

تفریط:- اگر اس وقت کے استعمال ہی کو ختم کرنے کی کوشش کرے اور اتنی پرہیزگاری برتنے لگے کہ بیوی سے بھی پرہیز کرنے لگے اور ضرورت کی چیز سے بھی ہاتھ دھولے اور قدر وجوب وضرورت بھی اس قوت کا استعمال نہ کرے تو یہ اصطلاحاً جمود کہلاتا ہے۔

اعتدال:- نہ جو حدود سے تجاوز کرکے فجور میں مبتلا ہو اور نہ جمود اختیار کرکے تفریط میں پڑے بلکہ اپنی اور پرائی چیز کی تمیز کرے اور حلال وحرام کو پہچانے۔ شرعی حدود میں رہتے ہوئے تحت حکم الٰہی اس قوت کا استعمال کرے یہ راہِ اوسط ہے اس کا علمی نام عفت ہے جسے شرافت نفسی اور پاک دامنی بھی کہتے ہیں۔

قوت غضبیہ:- یہ ایسی قوت ہے جس کے ذریعہ مضرتوں سے بچنے کے لئے مدافعت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ سابقہ دونوں قوتوں کی طرح اس قوت میں

بھی افراط وتفریط اور اوسط تینوں درجات ہیں اس میں بھی افراط وتفریط مذموم ہیں اور راہِ اوسط محمود ہے۔

افراط:- اگر غیض وغضب اور غصہ میں اتنی شدت پیدا ہوگئی ہے کہ سوائے بھیڑیئے پن کے اور کوئی صفت کام نہ کررہی ہو اور غصہ میں ہر کسی چیز کو ٹھکرا کر صرف چیر پھاڑ، مار دھاڑ، لوٹ مار اور قتل وغارت گری پر تل گیا ہو اور آنکھوں میں خون اتر چکا ہو اور حدودِ غضب کو پھلانگ کر آگے بڑھ گیا ہے تو اسے علمی اور اصطلاحی لفظوں میں تہور کہا جاتا ہے۔

تفریط:- اگر غضب اور غصہ نام کی کوئی چیز ہی پاس نہیں یا اتنی کہ مطلوبہ حدود کو بھی نہیں چھو سکتی اور ایسا نرم ہوجائے کہ شریعت اور احکام شریعت پر آنچ آرہی ہو تو بھی غصہ کی کوئی رگ نہ پھڑکے تو اسے جُبن کہتے ہیں۔ جسے بُزدلی کے لفظوں سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

اعتدال:- یہ وہ راہ ہے نہ تو آدمی تہور میں مبتلا ہو نہ جُبن وبزدلی کا شکار ہو لکہ صفت غصبیہ کا برمحل، ضروری حد تک، تحفظ حقوق وحدود کے لئے استعمال کرے۔ یہ شجاعت کا درجہ کہلاتا ہے۔

اس خصوص میں یہ بات پھر ایک بار اچھی طرح یاد رکھ لینا ضروری ہے کہ یہ مراتب جن کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں ہر درجہ کا افراط بھی مذموم ہے اور تفریط بھی مذموم ہے اور افراط وتفریط دونوں سے بچنا لازمی ہے اور ان تینوں قوتوں کی جامع قوت 'عدل' کہلاتی ہے۔ خدا کرے یہ عدل واعتدال ہماری زندگی میں آئے اور ہم راہِ اوسط پر چل سکیں۔